© rasailojaraid.com

ابوالعلا محمد اسمٰعیل گودھروی

تفسیر القاء الرحمٰن
ترجمہ
تفسیر الہام الرحمٰن

(پانچویں قسط)

منافقوں اور مومنوں کی جماعت میں شامل ہونے کا مقصد ان کا ایمان نہ تھا بلکہ ان کا برنامجہ رجعی تھا۔ اس لئے وہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوتے تھے کہ انقلاب سے لوگوں کو روکیں۔ جس کا وہ قصد کر چکے تھے اور اسی لئے یہ وہی کام کرتے تھے جو مسلمان کرتے تھے۔ سراسر دھوکا دہی سے کام لیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ خدا کو دھوکا دیدیں، پھر مسلمانوں کو دھوکہ دیدیں اور حقیقت یہ ہے انھوں نے اپنے زعم میں دھوکہ بھی دیا۔ اور مسلمانوں کو خدا نے اپنے برنامجہ پر ثابت قدم رکھا۔ جب مسلمان اس کو جلدی نہ سمجھ سکے تو منافقین نے سمجھا ہم نے مسلمانوں کو واقعی دھوکہ دیا اور فریب میں لے لیا۔ مسلمانوں نے ان کو دوسرے مسلمانوں جیسا مسلمان تسلیم کر لیا اور منافقوں نے خیال کیا کہ ہم دھوکہ دہی اور اپنی فریب کاری میں فائز المرام رہے اور عنقریب مسلمان اپنے برنامجہ انقلابی دستور العمل کو بھی بھی واپس لے لیں گے۔ اور یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًاۚ — ان کے دلوں میں مرض ہے تو اللہ نے ان کے مرض کو اور بڑھا دیا۔

اور اس قول سے

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ — اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے وہ حق کو جھٹلاتے ہیں۔

پھر جب منافقوں کو کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ ان کا نفاق ظاہر ہوگیا اور ان کے جھوٹے دعووں کا کذب واضح ہوگیا کہ وہ اپنا برنامجہ نافذ نہیں کر سکے۔ نیز یہ بھی وہ سمجھے کہ عنقریب مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہونگے یا تو وہ اپنے کو اعلیٰ طبقہ کا انسان سمجھتے تھے کہ ہر ذکی اور غبی کو دھوکہ دے سکتے ہیں تو یہ لوگ عذاب دردناک میں مبتلا ہو گئے۔

انقلابی آدمی رجعت پسند سے ابدالابداء اتفاق نہیں کر سکتا

جب ایک جماعت "عدل" قائم کرتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں "تقویٰ" کا قصد کرتی ہے اس کے مقابلہ میں ایک دوسری جماعت ہے۔ جو جاہل بے علم ہے اپنے آباؤ اجداد کا برنامجہ دستور جاری کرنا چاہتی ہے۔ حق و ناحق کو نہیں جانتی اور حق کی طرف التفات بھی نہیں کرتی۔ ایسی دو جماعتیں کس طرح ایک ہو سکتی ہیں۔ ایک عاقل دانش مند سمجھ سکتا ہے انقلابی شخص جو پیش قدمی کرتا ہے رجعی شخص سے اتفاق نہیں کر سکتا اور جو جیسے حالات بھی پیش آئیں۔

قولہ تعالیٰ — خدا کا فرمان!

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ — جب ان سے کہا جاتا ہے زمین پر فساد نہ پھیلائے پھرو۔

اس میں بھی ان کے قبیح اور بدترین حالات کا بیان ہے۔ مسلمانوں پر منافقوں کا خبث باطن اور فساد نیت واضح ہو چکا باوجود اس کے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان صلح کا قصد کرتے ہیں۔ مسلمان اچھی طرح جانتے ہیں کہ قتال و جنگ ضروری ہے اور باطل قوت کو حق قوت سے توڑ دینا لازمی ہے اور مسلمان ان منافقوں سے کہتے ہیں زمین پر فساد نہ پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ۔

ہم تو تمھارے آپس کے قتال و جنگ کو روکتے ہیں اور تم میں صلح اس طرح ممکن ہے تم اپنے برنامجہ اپنے پروگرام اور دستور العمل کچھ ترک کردو، ادہر ہم بھی کچھ ترک کردیں۔ اس طرح صلح ممکن ہے ۔

یہ کوشش ان منافقوں نے اس لئے کی تھی کہ مسلمانوں سے "برنامجہ"، "دستور العمل" اور نظام بلا سوچے سمجھے خراب اور برباد کردیں ۔ اور انقلاب جنگ کے لئے مضطرب تھا کہ باطل اور رجعت پسند مفسدوں کا سرے سے قلع قمع کردیا جائے ۔

اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰـكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ خدا کا فرمان! آگاہ رہو کہ یہی لوگ مفسد ہیں، لیکن سمجھتے نہیں ہیں ۔

اس آیت میں ان کا فساد ظاہر کیا گیا ہے ۔ یہ لوگ ایمان باللہ اور ایمان بیوم آخرۃ کا مدعا اور مقصد سمجھے ہی نہیں ۔ صرف بندے سے کہہ رہے ہیں ۔ فقط زبانی جمع و خرچ ہے اور صرف کلمہ ایمان اور کلمۂ علم کہدینے سے مومن نہیں ہوسکتا نہ عالم ہوسکتا ہے ۔

جب دو گروہ اپنی اپنی متفق علیہ راہوں سے تمسک کریں اور ہر گروہ کے افراد اپنے متفقہ مسئلہ پر اڑے تو ان دو گروہ میں جنگ ضروری ہے

اللہ تعالیٰ نے آیت (۱۳) میں اس سے پہلے جو آیتیں گذریں ہیں اس سے زیادہ وضاحت و تصریح کے ساتھ بیان کردیا کیونکہ مسئلہ زیادہ نازک و مشکل ہے ۔ منافق باوجودیکہ ایمان نہیں لائے صریح طور پر کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں ۔ پس اگر مسلمانوں کی جانب سے کہا جائے کہ حقیقۃً یہ منافق ایمان نہیں لائے اور ایمان اور قرآن سے ان کو کوئی نفع نہیں پہنچا تو یہ جواب کافی نہیں تھا ۔ اور یہ اس لئے کہ منافق جھگڑالو مسلمانوں کو متہم کرسکتے ہیں کہ یہ تو ہر عاقل دانشمند کو جو قرآن سے متنفع نہ ہو کہدیتے ہیں یہ حقیقۃً ایمان نہیں لائے اور یہاں حقائق سے بحث نہیں ۔ بلکہ یہاں تو ایک دلوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو نگھلا دینے والی عصبیت ہے ۔ اس قسم کے اتہام سے بچنے کی خاطر قرآن حکیم نے ان کے اوصاف ذمیمہ پر آہستہ آہستہ ، درجہ بدرجہ روشنی ڈالی ۔ سب سے پہلے یہ کہا کہ یہ لوگ متکبر ہیں اور حق کے خلاف ہیں اور بالآخر خائب وخاسر ہونے والے ہیں اور یہ ان کے حالات بالکل ظاہر اور واضح تھا ۔ حتی کہ خصم کے نزدیک بھی واضح روش اور مسلم ہے ۔

اس کے بعد ان سے مناظرہ کیا جاتا ہے اور صورت مناظرہ یہ ہے کہ جب یہاں دو گروہ ایسے موجود ہیں ۔ جو اپنے اپنے جتھے کے افراد کے متفق علیہ پروگرام پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں ۔ اور ہر گروہ یہ چاہتا ہے کہ اپنی اپنی رائے کو جاری کرے ہر گروہ کا مقصد اپنی اپنی آراء کی تنفیذ و اجراء ہے ۔ ایسے وقت میں ان حالات میں قتال و جنگ لازمی ہے ۔ یہاں تک کہ ایک گروہ دوسرے گروہ کو پوری طرح شکست دیدیوے ہر عاقل پورے صبر سے اس کا انتظار کرے ۔

جب تم ان کو سفہاء اور بے وقوف سمجھتے ہو تو اس گروہ میں تم کیوں داخل ہوئے تو یہ کہنے لگے :

اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ ہم تو ان سے استہزاء اور مذاق کرتے ہیں ۔

یعنی ان کا استہزا اور مذاق کرنے کی غرض سے ہم ان میں شامل ہوئے ہیں اور انھوں نے مخالفین قرآن کے سامنے نہایت صراحت کے ساتھ کہہ بھی دیا کہ ہم اس غرض سے ان کے ساتھ ملتے ہیں تو اس کے بعد مسلمانوں پر افتراء باندھنے کا کوئی موقع نہ رہا کہ ہر وہ شخص جس پر قرآن نے اثر نہیں کیا اور قرآن سے متاثر نہیں ہوا اس کو تعصباً غیر مومن اور کافر کہا جاتا ہے ۔

جب ان لوگوں نے خود اس کی تصریح کردی کہ ہم مسلمانوں میں بغرض استہزاء شریک ہوئے ہیں تو قرآن سے ان کا اثر نہ لینا قرآن کا نقص نہیں ہے بلکہ ان کا عدم التفات ہے اور اسی کی طرف آیت ۱۲ : ۱۴ میں اشارہ کیا گیا ہے فرماتا ہے :

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ	اور جب ان سے کہا جاتا ہے تم ایمان لاؤ جس طرح
قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ	کہ لوگ ایمان لاتے ہیں ۔ تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہم
اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ	اسی طرح ایمان لائیں جس طرح یہ سفہا ایمان لائے ہیں
وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ	خبردار رہو کہ یہی لوگ سفہاء ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں
وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ ۙ قَالُوۡۤا	اور جب یہ لوگ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ

ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب یہ لوگ اپنے شیاطین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمھارے ساتھ ہیں ہم توان سے استہزاء کرتے ہیں۔

پھر خدا فرماتا ہے:

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ

اللہ ان سے ساتھ استہزا کرتا ہے اور ان کو ان کے طغیان میں کھینچے چلا جاتا ہے کہ وہ اندھے ہو گئے ہیں

جن منافقوں نے اس مدت میں مسلمانوں کے ساتھ خلاؤ ملا، پیدا کیا تھا وہ یہ نہ سمجھ سکے مسلمان اول دن سے حقیقت کار کو سمجھے ہوئے تھے۔ اور منافق نہیں جانتے تھے کہ مسلمان ان پر اعتماد و بھروسہ قطعاً نہیں کرتے تھے۔

یہ لوگ ایک طویل عرصے سے مسلمانوں میں رہے اور وہ عمل کرتے تھے جو مسلمان کرتے تھے پھر بھی انہیں ہدایت نہیں ہوئی بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ ان کی ضلالت وطغیانی بڑھ گئی۔ تو یہ ان کے استہزاء اور تکبر کی جزا اور بدلہ تھا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ

یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے عوض گمراہی کو خریدا ہے پس ان کی تجارت نفع بخش نہیں ہوتی اور نہ وہ لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔

اس آیت میں صورت حال کو سمجھانے کی غرض سے ایک تاجر کی جو اپنی تجارت کا نفع اٹھاتا ہے اور دوسرے تاجر کی جو اپنی تجارت سے نقصان اٹھاتا ہے مثال پیش کی ہے۔ بیع وشراء لین دین سے دونوں فریق اچھی طرح جانتے تھے۔ خسران اور ٹوٹا پانے والا تاجر اپنی تجارت سے نقصان کو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ فلاں فلاں وجہ اور فلاں سبب کی وجہ سے نقصان ہوا ہے۔ یہ حال ان لوگوں کا تھا۔

نفع پانے والا تاجر مومن مسلمان ہے اور خسران و ٹوٹا پانے والا منافق ہے اور ان لوگوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کی تجارت میں خسارہ ان کی شومیت اعمال کی وجہ سے تھا نہ کسی دوسری وجہ سے۔

پھر یہ کہ مومن گروہ جانتا تھا کہ ہماری دنیا اور سارا عالم خراب اور برباد ہو رہا ہے، سارا عالم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فساد کی نذر ہو رہا ہے۔ اس لئے اس گروہ نے اس کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا ہے اور منافق باوجودیکہ مسلمانوں کو دھوکہ اور فریب دیتے تھے۔ دو قسموں میں منقسم تھے۔ ایک وہ تھے جو اکابر زعما اور قائدین سمجھے جاتے تھے۔ دوسری قسم کے لوگ عامی غوغائی تھے جو ان زعماء اور قائدین کے پیرو تھے جب یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے تو مسلمانوں میں آگھسے اور اسلام کے مستقبل پر غور و تدبر نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ۝ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝

ان لوگوں کی مثال ان لوگوں کی ہے کہ انھوں نے آگ روشن کی، پس اس کے اردگرد جب وہ روشن ہوئی تو اللہ نے اُن کے نور کو چھین لیا۔ اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ دیکھ سکتے تھے بہرے، گونگے، اندھے ہوگئے ہیں سو اب وہ رجوع نہیں کر سکتے۔

ان دو آیتوں میں اشارہ ما تقدم کی طرف ہے آیت مذکورہ کو سمجھانا مقصود ہے۔

پھر ان منافقوں کی دوسری قسم میں ایسے لوگ تھے جن میں قبولِ حق کی استعداد قابلیت تھی اس کے اقتضاء سے موجب عمل کرنے کی صلاحیت تھی۔ جس طرح ان میں باطل کے قبول کرنے کی اور اس پر عمل کرنے کی قابلیۃ وصلاحیت تھی۔ ایسے لوگ تردد میں تھے کہ ان دو طریقوں میں سے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے اور کس پر عمل کیا جائے اس طرف آنے والی آیتوں میں اشارہ ہے۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم

اور ان منافقوں کی ایسی حالت ہے، جیسے آسمان سے بارش ہوئی جن میں اندھیریاں ہیں اور رعد و برق تو یہ لوگ اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں کڑک کے سبب اندیشہ موت سے اور اللہ کافروں کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ برق یہ حالت ہے کہ معلوم ہوتی ہے کہ ابھی کہ ابھی ان کی بینائی اس نے لی تو جہاں ذرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

ان کو بجلی کی چمک ہوئی تو اس میں انھوں نے چلنا شروع کر دیا ۔ اور جب تاریکی ہوئی تو کھڑے ہو گئے اور اگر اللہ چاہے تو ان کا گوش و چشم سلب کر لیوے کہ اللہ ہر شی پر قادر ہے ۔

ہم نے صحراء سے فلاحین وغیرہ کو دیکھا ہے ۔ جب وہ اپنے مرشد یا کسی عالم کی مجلس میں ہوتے ہیں ۔ اور ان کا مرشد یا عالم کسی چیز کا حکم دیتا ہے تو وہ پورے اخلاص اور پوری قوت سے مرشد یا عالم کے کہے ہوئے پر عمل کرتے ہیں ۔ پھر جب وہ اپنے گھروں میں جاتے ہیں تو تمام کو چھوڑ دیتے ہیں ۔ اور اپنے اپنے ارتفاقات اور اسباب زندگی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور مرشد یا عالم کی طرف مطلقاً ان کی توجہ نہیں ہوتی ۔ وہ سارے عمل بھول جاتے ہیں ۔

تو یہ لوگ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کا دعویٰ کرتے ہیں ۔ اگر تم ان کے اعمالوں کو دیکھوگے تو تم ان کو ناقص الایمان پاؤ گے ۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے مرشد کے سامنے مرشد کے احکام پر عمل کرتے تھے کسی خارجی قوت سے عمل کرتے تھے ۔ خارجی چیز کی تاثیر سے عمل کرتے تھے ۔ جب یہ تاثیر فوت ہو گئی اور یہاں سے دور ہو گئے تو عمل فوت ہو گیا ۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان میں قبول حق اور اس پر عمل کی استعداد و صلاحیت موجود ہے ۔ لیکن لبا اوقات اس استعداد و قابلیت کو مہمل اور بے عمل چھوڑ دیتے ہیں ۔ اور فطرت کا یہ فیصلہ ہے ۔ جو قوت طویل مدت تک مہمل چھوڑ دی جاتی ہے تو وہ استعداد بالکلیہ معدوم ہو جاتی ہے یا اس حد تک ضعیف و کمزور ہو جاتی ہے کہ اس سے استفادہ ناممکن ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے یہ لوگ خدا کے اس قول سے ڈرائے گئے ۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ الآیہ

اور اگر اللہ چاہے تو ان کے گوش اور چشم سلب کر لیوے ۔

اس سے اس جملہ کے معنی واضح ہو گئے اور اس سے پیشتر کی آیتوں میں اس کا ربط و نسق معلوم ہو گیا ۔

ہمارے نظریہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے قول :

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

متقیوں کے لئے ہدایت ہے ۔

کا استدلال قول خداوندی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ وہ کتاب ہے جس میں ذرا شک نہیں ہے

پر ختم ہو گیا اور یہ دلیل منطقیوں کے نزدیک "انی" کہی جاتی ہے کہ معلول سے علت پر استدلال کیا جائے اور دلیل "انی" عوام کی فہم و نظر کے قریب ہوتی ہے لیکن حکماء اس سے مطمئن نہیں ہوتے جبتک وہ علت کی تحلیل لینہ سے نہیں کر لیتے۔ تو ہمارے نظریہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کا قول؛

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا الآیۃ لوگو! تم عبادت کیا کرو آلایۃ

ان لوگوں نے دلیل "لمی" کی ابتداء کی کہ کن امور پر دعوت قرآن مشتمل ہے کیا اس میں وہ قوت واستعداد موجود ہے جو متقی لوگ اپنے اندر پیدا کر سکیں اور کلام الٰہی ان دو امور تک ممتد ہوتا ہے آیت ۲۱ سے آیت ۳۹ تک اور اس کو ہم فصل ثانی قرار دیتے ہیں۔

فصل ثانی سورۂ بقرہ

(اس فصل میں سارے قرآن کے مقاصد اجمالاً آجاتے ہیں)

پہلی چیز جس کی طرف قرآن دعوت دیتا ہے۔ خدا واحد کی خالص عبادت کی جائے اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے کہ خدا کا کوئی ند اور شریک نہیں ہے۔ اور اس پر تمام آسمانی کتابیں متفق ہیں۔ اور اس کی تشریح کی ابتداء خدا کے اس قول سے ہوتی ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کیا کرو۔
خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ جس نے تم کو اور تمھارے اگلے لوگوں کو پیدا کیا ہے
تَتَّقُونَ تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔

اس آیت میں متوسط اور درمیانی طبقہ سے خطاب ہے جن کے اندر تقویٰ کی استعداد موجود ہے۔ مثلاً وہ طبقہ جس کا ذکر خدا کے اس قول میں کیا گیا ہے۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ جیسے آسمان سے بارش ہوئی۔

اس آیتہ میں خطاب متوسط طبقہ سے ہے۔ جس کے اندر تقویٰ کی استعداد و صلاحیت موجود ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے پست درجہ کے لوگوں سے خطاب جائز اور درست نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ — پس تم اللہ کا ند نہ بناؤ حالانکہ تم جانتے ہو

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ج فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ — وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے پھل پیدا کئے جو تمہارا رزق ہے پس تم اللہ کا ند نہ بناؤ اور حال یہ کہ تم سب جانتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ — تاکہ تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔

تقویٰ سے کیا مراد ہے یہ سمجھتے تھے اور توحید کو بھی سمجھتے تھے۔ لیکن ان کو اس پر استقامت شاق تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ انعام کیا کہ ان کے اخلاق نے ان پر واجب کر دیا وہ اس کی خالص عبادت کریں۔ جو شبہات شرک سے پاک وصاف ہے۔

مکی سورتوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ مخلص بندے ہی دعوت الاہیہ کے مخاطب ہیں اور انہیں کو ہمیشہ دعوت جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ وحدہٗ کی عبادت قرآن کی اتباع کے بغیر ممکن نہیں اور اسی وجہ سے معارف قرآن کی آیت ۲۲ میں توجہ دلائی گئی ہے۔

قولہ تعالیٰ — خدا کا فرمان!

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ص وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ — اگر تم خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے اتاری ہے اپنے خاص بندے پر تو اس کے مثل کوئی سورت بنا لاؤ اور اپنے سارے حمایتوں کو خدا کے سوا ہوں مدد کے لئے لے آؤ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صٰدِقِیْنَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

ہم قرآن کی سورتوں کو مستقل باب گردانتے ہیں۔ بمنزلہ ابواب تورات اور صحائف تورات کے ہیں۔ تو تم قرآن کی ایک سورت سے لے لو۔ مثلاً سورۂ بقرہ کو تو اس میں نظر آئے گا کہ مکہ میں جو تعلیمات ایک مرتبہ اتر چکی ہیں یہ اس کا مجموعہ ہے اور یہ تعلیمات سارے عالم کی ہدایت کی کفیل ہے۔

اور یہ صفت تمام ابواب [illegible] کی ہے۔ ابواب توراۃ یا صحیفہ تورات کو لے لو۔ یا ایک کتاب انجیل اربعہ کی لے لو۔ یا ایک کتاب تعلیمات صابئہ کی لے لو، پھر اس کو عربی میں منتقل کرلو اور حجاز والوں کو پڑھا دو۔ جن کو ہم نے قرآن پڑھایا ہے۔ اس کے بعد تمہیں معلوم ہو کہ قرآن کی اتباع کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ دوسری کتاب اور دوسرے ادیان کی اتباع سے ہدایت مطلوبہ حاصل ہو جاتی ہے تو یہ ٹھیک ہے اور اگر یہ ممکن نہیں ہے اور ان کتابوں سے ہدایت حاصل نہیں ہوتی تو قرآن سے اعراض اور اس کی تعلیمات سے رد گردانی تمام کتب آلہیہ کے نزدیک مودی الی جہنم ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

اور ہمارے نزدیک قرآن کی تحدی اس کی بلاغت وفصاحت سے عجمی امتوں کے لئے نہیں تھی کیونکہ عجمی لوگ عربی کو اصلاً جانتے ہی نہ تھے۔ پھر اس کی فصاحت وبلاغت سے انہیں کیا واسطہ؟ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تحدی انسانوں اور جنات کے سامنے پیش کی ہے۔ یہ تمام لوگ اس کے مثل ایک سورۃ پیش کریں۔ اور بہت سے یہودی اور نصاریٰ اور صابئہ وغیرہ حجاز اور حجاز کے اردگرد آباد تھے۔ اس لئے ان سب کے سامنے تحدی پیش کی گئی ہے کہ وہ اپنی تعلیمات کو لائیں اور وہ اجماع اور اجتماع جو قرآن کی تعلیمات نے پیش کیا ہے پیش کریں۔ اور یہ اجماع اور اجتماعیت اس کے معانی اور حکمت علمیہ اور عملیہ ہے نہ اس [illegible] فصاحت وبلاغت ہے۔

پس جو شخص جنات اور انسانوں کی تحدی بلاغت وفصاحت قرآن ہے اس کا قول قابل قبول نہیں ہے اس کی طرف قطعاً نظر بھی نہیں کی جا سکتی۔

اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور اللہ کے سوا اپنے تمام حمایتوں کو مدد کے لئے بلالو،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے مراد دوسرے ادیان کے پیروہی ہیں جن کا ذکر پہلے آچکا ہے ۔

قولہ تعالیٰ — خدا کا فرمان!

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا — پس اگر تم ایسا نہ کر سکو ۔

یہ ظاہر ہم آج تک دنیا جہاں کی امتوں کے سامنے یہ تحدی پیش کر رہے ہیں کہ دین اسلام سے کوئی قوی اور مضبوط دین ہو تو وہ پیش کریں ۔

قولہ تعالیٰ — خدا کا فرمان!

وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ — اور تم پھر ایسا نہیں کر سکتے تو تم اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں جو کافروں کے لئے تیار رکھی ہے ۔

اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی طاقت سے باہر ہے کہ دین اسلام سے قوی تر دین پیش کر سکیں ۔ اور کافر سے مراد رجعی مستقہقر ہے (یعنی پچھلے پاؤں لوٹنے والا) اور آگ سے ان کو ڈرایا گیا ہے اور ہماری حکمت کی رُو سے یہ عالم مثال میں ہوگا (۱)

اور یہاں ہمارے نظریے کے مطابق یہ معنی ہیں کہ جب انسانی بدعملی بعینہا درکات سافلہ یعنی عالم مثال میں نیچے طبقہ میں پہنچ جاتی ہے تو یہ بھڑک جاتے ہیں اور شعلوں پر شعلے اٹھنے لگے ہیں ۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ عالم مثال میں جو حقائق ہیں ان میں باہم تضارب و تناقض کو ہم تسلیم نہیں کرتے ۔ اور اس لئے ہم کہتے ہیں کہ عالم عناصر کی شان یہ ہے کہ عناصر کا اتصال عالم مثال میں کسی نہ کسی وجہ سے ہے ۔ جن سے ایک دوسرے کی طرف منتقل ہونا بوجہ اشتراک اساس کے پاس پایا جاتا ہے ۔

پس پتھروں کے جہنم میں ورود عالم مثال میں زیادتی عذاب ، اور عذاب پر عذاب کی صورت میں ہوتا ہے اور ہم اس کو مقدمہ شاہ اسمٰعیل شہید سے جو انہوں نے اپنی کتاب عبقات میں تحریر کیا ہے ۔ بیان کرتے ہیں ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں :

"انسان اگرچہ علم حضوری کی رُو سے ایک چیز کو جانتا ہے لیکن جب وہ اسی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف توجہ کرتا ہے۔ تو اس کو اس چیز کا زیادہ احساس ہوتا ہے۔ اس توجہ کے تاثرات زیادہ سے زیادہ ہو جاتے ہیں اور یہ اس کی استعداد کے مطابق کم و بیش ہوتا رہتا ہے خصوصاً جبکہ خارجی چیز سے اس کو مدد ملے کیا تم نہیں دیکھتے کہ انسان بھوکا پیاسا ہوتا ہے یا اس کو زخم لگ جاتا ہے تو اس کو بھوک پیاس اور الم کا اس کو علم حضوری ضرور ہوتا ہے لیکن جب وہ اس سے بڑے اور اہم اشغال میں مشغول ہو تو اسے اس کا احساس کم ہوتا ہے۔ مثلاً وہ لڑائی کی صف میں موجود ہے یا جنگ کرنے والوں کے ہمراہ ہے۔ اس وقت اس پر زخم اور تکلیف کے آثار نمایاں نہیں ہوتے۔ اور اسی بنا پر اپنے سخت سے سخت دشمن سے بھی لڑتا رہتا ہے۔ اور زخم اس کو مانع نہیں ہوتا۔ لیکن جب وہ ان امور سے جن میں یہ مشغول ہے چھوڑ دیتا ہے تو اس کی تکلیف زیادہ بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ وہ حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ خصوصاً جبکہ اس کو خارجی چیز اور مدد کرے۔ مثلاً زخم پر مکھیاں آکر بیٹھ گئیں۔ یا بھوکے کے سامنے کھانا آگیا یا پیاسے کے سامنے پانی آگیا۔ اس وقت اس کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں جہنم میں انسان کے اعمال اس کے ساتھ ہوتے ہیں اور اس لئے ہوتے ہیں اس لئے اس کے تعارج سے اسے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ انسان خطیرۃ القدس سے دور ہو جاتا ہے۔ اور اس کا "حجر بحت" اس سے دور ہو جاتا ہے۔ پس اس حالت میں ان پر پتھر برستے ہیں تو اس کا احساس زیادہ بڑھ جاتا اور اس کا عذاب سخت اور گنا گناہ بڑھ جاتا ہے۔

حکمت امام ولی اللہ فلسفہ ہند کے موافق

عالم مثال میں پتھروں کا منتقل ہونا اس لئے ہے کہ دونوں کا وجود ایک ہے۔ دونوں میں اتحاد ہے اور ہمارے نزدیک یہ کوئی مستبعد نہیں ہے۔

اور جس حکمت پر ہمیں اعتماد ہے وہ حکمت پوری نہیں ہوئی۔ جبتک مسئلہ وحدت الوجود حقیقی پر اس کی بنیاد نہ قائم کی جائے اور اسی بنا پر ہمارا اشارہ ہے کہ ہماری حکمت ہمیشہ فلسفہ ہند کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موافق رہی ۔

بعض مسلمان مسئلہ وحدت الوجود کو حقیقی معنی میں نہیں سمجھتے اور اس کا کلیۃً انکار کر دیتے ہیں ۔ اور اس کے قائل پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ۔ اس پر آوازے کستے ہیں کہ یہ تو اغیار و اجانب کے متبع ہیں اگر کوئی ان میں سے اس نظریہ کا معترف ہوتا ہے تو مسئلہ کو یونان و ایران کی طرف منسوب کرتا ہے ہندوستان کی طرف منسوب کرنا انہیں قطعاً گوارا نہیں، ہندوستان کا ذکر انہیں انتہاء درجہ کی تکلیف پہنچاتا ہے ۔ اور ہم جانتے ہیں کہ ان پر جہالت کے پردے پڑے ہوئے ہیں لیکن ہم ایسے لوگوں کی طرف قطعاً التفات نہیں کرتے ۔ البتہ ان کی حقیقت کی شرح و توضیح کر دیتے ہیں کہ یہ لوگ اس کے معاند اور دشمن تو نہیں ہیں ۔ لیکن اس کی جہالت و بے خبری ہی کی وجہ سے اس کا انکار کر دیتے ہیں ۔ اور ہمیں یقین ہے یہ اپنی غلطی اور خطا کو عنقریب معلوم کر لیں گے جب ہندوستان بیدار ہوگا اور یورپ اس مسئلہ میں اس کے سامنے جھک جائے گا ۔ اور اس مسئلہ کو تسلیم کرے گا ۔ اس وقت یہ جہلاء انہیں سے مسئلہ لیں گے ۔ اور بلا واسطہ ہندوستان سے لیں گے ۔ اگرچہ یہ لوگ اس مسئلہ کو مسئلہ مسلمانوں سے نہیں لیں گے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے جہاں سے چاہیں لے لیویں اور آنے والی بات تو عنقریب آکر ہی رہے گی ۔

قولہ تعالیٰ	خدا کا فرمان !
وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	اور جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرتے رہے ان کو جنت کی خوشخبری سنا دو ۔

یعنی وہ لوگ جو قرآن پر ایمان لائے اور اس کے ارادت کے مطابق اپنی زندگی بنالی ۔

قولہ تعالیٰ	خدا کا فرمان !
اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	ان لوگوں کے لئے باغات ہیں جن کے لئے نہریں بہہ رہی ہیں ۔

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس سے جنات ارضی مراد ہے اور جنات آسمانی مثالی کی بھی ساتھ ساتھ بشارت ہے ۔ اور مثالی سے ہماری مراد فاعل موثر ہے نہ مثال منفعل و متاثر ۔

قولہ تعالیٰ	خدا کا فرمان !

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوا هٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا ؕ

جب کبھی ان کو اس جنت سے پھل کھانے کو دیئے جائیں گے۔ وہ کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیئے گئے تھے۔ اور ملے گا بھی ان کو ہر بار ملتا چلتا پھل۔

ہمارے نظریہ کے مطابق یہ دلیل جنت کے بارے میں ہے کہ ان لوگوں کو یہ چیزیں دنیا میں دی گئی تھیں۔ جب ایسی چیزیں آسمانی میں یہ لوگ دیکھیں گے اور وہ ایسی ہوں گی کہ (وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا) تو یہ لوگ کہیں گے یہ تو ہمیں پہلے بھی دی گئی تھیں کیونکہ جنت میں جو چیزیں ان کو دی جائیں گی ان کے نام اور صفات اور مزہ ویسا ہی ہوگا جیسا دنیا میں ان چیزوں کا تھا۔

اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ آخرت تتمہ ہے نشأت حیات دنیویہ کا :

قولہ تعالیٰ — خدا کا فرمان !

وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۙ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

اور ان کے لئے ان بہشتوں میں پاک وصاف بیبیاں ہوں گی اور وہ لوگ ان بہشتوں میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے

اس خلود کی ابتدا اس دنیا سے ہوگی کیونکہ ہم کہہ چکے ہیں آخرت تتمہ دنیا کا ہے اور یہ سلسلہ ایک طویل مدت تک مسلسل اور جاری رہے گا تو اگر لوگوں نے تعلیمات قرانی کو پہلے قبول کر لیا ہے اور قرآن کے ارشادات کے مطابق انہوں نے ترقی کی ہے تو پہلے وہ جنات دنیا پائیں گے اور اس کے بعد جنات آخرت ہی متواتر اور متولی پائیں گے۔ اور اگر انہوں نے قرآن کے ذریعہ تقدم و ترقی نہیں کی اور متقہقر اور پھسڈی رہے ہیں تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور یہ بُرا ٹھکانہ ہے۔

یہ تحدی امور معنویہ عقلیہ کی ہے اور امور شہادیہ زندہ دلیل ہے قرآن حکیم کی صداقت پر اور یہ جزء ثانی ہے دعوت آیت (۲۶ ؛ ۲۷) کا اور جزء ہمارے نزدیک ایک جملہ معترضہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اکثر مفسرین نے آیات میں تنسیق و ربط پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور کہتے ہیں اللہ تعالیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے پہلے مومنوں کا ذکر کیا ہے پھر معاندین کا پھر منافقین کا، کیونکہ معرفت اشیاء ان کے اضداد سے ہوتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ تمام مؤمنین کی صفات ہیں لیکن ان پر اس آیت کا ربط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي الخ ماقبل سے دشوار اور مشکل ہوگیا اس کے بعد وہ ایسے دلائل پیش کرتے ہیں جو بالکل غیر ضروری ہے۔ ربط آیات کے لئے اپنا عجز و بے بسی ظاہر نہیں کرتے۔

اور ہم اپنے نظریہ کے مطابق بحمد اللہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ قرآن کے اتباع و پیروؤں نے منکرین کے سامنے قرآن کی "تحدی" کی ہے کہ اس کے مثل اپنی الٰہی کتابوں سے پیش کریں۔

اس حالت میں ممکن ہے مخالف یہ کہے کہ جس کلام کے متعلق تم "تحدی" پیش کر رہے ہو اور کہتے ہو کہ اس کے مثل تم لاؤ۔ تو یہ بھی عیوب سے خالی نہیں ہے پہلے ان عیوب سے اپنی کتاب کو پاک و صاف کرلو۔ پھر مخالفین سے کہو اس کے مثل لاؤ۔ اس سے پہلے "تحدی" مستحسن نہیں ہے۔ اور یہ عیب لایعنی خسیسہ کا بیان ہے اور یہ اس لئے کہ کلام الملوک ملوک الکلام ملوک اور شاہوں کے کلام، تمام کلاموں کا شاہ ہوا کرتا ہے۔ اگر تمہارے زعم میں یہ اللہ کا کلام ہے تو اس میں مچھروں مکھیوں وغیرہ کا ذکر کیوں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر توضیح مراد کے لئے ایسی مثالیں پیش کرنی ضروری ہیں۔ اشیاء خسیسہ کے ذکر کے بغیر عقل قبول نہیں کرتی تو ان کا ذکر جائز اور صحیح ہے۔

پھر یہ کہ اشیاء خسیسہ لایعنی چیزوں کا ذکر بسا اوقات حکمت الٰہی میں بہت عظیم الشان اور اہم ہوتا ہے لوگوں کی مشکلات کا حل اور تکوینی امور کا سبب ہوتا ہے اور جب ایسی حالت ہو تو اس کا ذکر نہ کرنا۔ اور صرف اس لئے ذکر نہ کرنا کہ لوگوں کو خوش رکھا جائے اور لوگوں سے شرم نہ آئے جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ کو بیان حق میں حیا و شرم دامنگیر نہیں ہوتی ۔۔۔ جواب ختم ہوا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ	اور اللہ نہیں شرماتا اس بات سے کی اس کی کوئی مثال پیش کرے خواہ مچھر کی بلا اس سے کوئی بڑی ہو۔ تو جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو یقین کرتے ہیں کہ ٹھیک ہے ان کے رب کی طرف سے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قولہ تعالیٰ: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اللہ تعالیٰ کا فرمان! پس جو لوگ ایمان لائے ہیں

اس میں ان مومنین کی طرف اشارہ ہے جو اشیاء خسیسہ، حقیرہ کے ذکر کے فائدے کو سمجھ رہے ہیں کہ اس سے بڑے بڑے حقائق کا انکشاف ہوتا ہے۔

پھر اس سے لوگوں نے دوسرا فائدہ بھی سمجھا۔ اور یہ اس طرح کہ منافقوں نے کتاب اللہ سے انکار کیا اور اس کو مباح سمجھا۔ اور اس کو ظاہر بھی کر دیا۔ اور لوگوں پر ان کا نفاق بھی ظاہر ہو گیا اور اجتماعیت مومنہ میں اس کی تمیز نہایت ہی اہم چیز ہے۔

قولہ تعالیٰ خدا کا فرمان!

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ اور جو لوگ کافر ہیں وہ یہی کہتے رہیں گے اللہ

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا نے اس سے اس مثال سے کیا ارادہ کیا ہے۔

یہاں کافر سے مراد منافق ہے جیسا کہ بعض تابعین سے مروی ہے اور اس میں جو اشارہ ہے پہلے گذر چکا ہے۔ اور وہ یہ کہ جو اپنے کو مومن کہتے ہیں اور مومن نہیں ہیں پکے اور خالص مومنوں میں امتیاز ہو گیا کیونکہ انہوں نے خسیس چیزوں کے قرآن میں ذکر سے انکار کر دیا تھا۔ اور ان کا سوال یہ تھا کہ:

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس مثال سے کیا ہے۔

ان کا یہ قول بر سبیل انکار تھا لیکن خدا نے اس کا فائدہ بیان کر دیا کہ اس سے بہت سوں کو گمراہ کرنا اور بہت سوں کو ہدایت کرنا مقصود تھا۔ اور اس قول خداوندی کے یہی معنی ہیں:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ اس کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو وہ گمراہ اور

كَثِيْرًا ط بہت سے لوگوں کو ہدایت فرماتے۔

اور اس قول کے معنی

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ اور وہ اس سے گمراہ نہیں کرتا مگر فاسقوں کو۔

اللہ جل وعلا نے گمراہ لوگوں کو متعین و مقرر فرما دیا۔

اور قرآن میں "فاسق" سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس ارتقاء کے لئے پروگرام، دستور العمل اور نظام نو ہے۔ لیکن وہ قرآن کے خلاف ہے اور کافر سے مراد رجعت پسند اور معاند جو اس سے پسپا ہو رہا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر یہ کہ جس کا برناجہ، دستور العمل اور نظام قرآن کے برناجہ، دستور العمل اور نظام کے خلاف اور متضاد ہے اس کا برناجہ اور نظام تین۳ قبیح ترین امور پر حاوی ہے ۔

اوّل : ۔ یہ کہ عہد و میثاق کے وہ اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں ۔ اور حزب اللہ میں وہ اس طرح داخل ہوتے ہیں ۔ اور معاہدہ کرتے ہیں ۔ اور زبان سے کہتے ہیں وہ ان کے دین کی اتباع کریں گے ۔ لیکن قلوب میں کفر بھرا ہوا ہے ان کے قلوب میں مسلمانوں کے خلاف خدیعہ، دھوکہ اور فریب مضمر ہے جب وہ ادنیٰ سے ادنیٰ حیلہ بھی پاتے ہیں تو مسلمان سے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے ایسا کرنا سلیم الفطرۃ انسانوں کے نزدیک قبیح اور بدترین فعل ہے ۔ کیونکہ کوئی بھی راضی اور خوش نہیں ہو سکتا کہ کسی اسے حزب اور ایسے گروہ میں شامل ہو جائے جس کے بطلان اعتقاد رکھتا ہے اور اپنی اغراض ذیلہ دینہ خبیثہ کی بناء پر اس کے صحت کا اعتراف کرتا ہے اور یہی معنی اس قول خداوند کے ہیں ۔

اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ — جو لوگ اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں عہد و

مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ — میثاق کے بعد ۔

(جاری ہے)

خدا کس عمل سے راضی ہوتا ہے اور کس عمل سے راضی نہیں ہوتا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ اللہ تم سے تین چیزوں پر راضی ہوتا ہے اور وہ اس پر راضی ہوتا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور متفرق نہ ہو اور خدا جس کو تمہارا صاحب امر بنائے اس کے ساتھ خیر خواہی کرو اور وہ تم سے تین باتوں پر ناراض ہوتا ہے ۔ بحث و تکرار کرنا اور بہت سوال کرنا اور مال کو ضائع کرنا ۔

(مسلم)

© rasailojaraid.com